اس عجیب و غریب پرندے کی بابت ہم اور آپ مل کر سوچیں، دیکھیں کہ وہ اپنے نومولود بچوں کے ضروریات اور ان کی عاجزی کو کہاں سے جانتا ہے؟ ان باتوں کو اس نے کس سے سیکھا ہے؟ آیا اس کی ماں نے سکھایا ہے حالانکہ وہ اس کی صورت تک نہیں دیکھتا؟ تجربے کے ذریعہ انھیں حاصل کیا ہے جبکہ اس کی پوری عمر میں ایک مرتبہ سے زیادہ ان باتوں کے وجود میں آنے کا موقع نہیں ہوتا۔؟

اگر کہیں کہ ہم اسے ہم جنسوں کو دیکھ کر اس پرندے نے یہ کام سیکھے ہیں تو پھر سوچنا پڑے گا کہ وہ ذاتی شعور اور قوت اس میں کہاں سے آئی جس نے اسے ابھارا کہ ہم جنسوں کے عمل کو دیکھے اور یاد رکھے۔؟

دوسری طرف یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ اس قسم کا سب سے پہلا پرندہ جب وجود میں آیا تو وہ ان باریک نکات سے کس طرح واقف بنا، اس نے تو یہ عمل کسی دوسرے جانور سے نہیں دیکھا تھا۔؟

خوش قسمتی سے چونکہ اس جانور کی کد و کاوش، اس کا یہ طرزِ عمل اس کی زندگی اور اس کے ماحول سے متعلق نہیں اس لیے اس کا سبب ماحول اور اپنے ضروریات پورا کرنے کی مطابقت نہیں ہوسکتا، یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ " ضرورت ایجاد کی ماں ہوتی ہے۔" جس طرح انسان کو جب اپنی زندگی کے باقی رکھنے کے لیے سردی اور گرمی سے بچاؤ کی ضرورت ہوئی تو اس نے اپنا سر چھپانے کے واسطے کسی نہ کسی صورت کا گھر بنا لیا کسی نہ کسی طرح اپنے جسم کو ڈھانک لیا، اپنے لیے گھر بنانا اگر اس نے جانوروں سے سیکھ بھی لیا ہو تو کپڑے پہننا اس نے کسی سے نہیں سیکھا، اس قسم کی توجیہ اس پرندے کے مذکورہ کاموں کی نہیں کی جاسکتی، کیونکہ وہ اس کی ذات سے متعلق نہیں ہیں، اس کے ان بچوں سے متعلق ہیں جو اس کے مرنے کے بعد دنیا میں آئیں گے، یہ کام دوسرے کی زندگی کے باقی رہنے کا انتظام ہے جو ابھی کتم عدم کے اندر منہ چھپائے ہے۔

کیا اسی پرندے کے ان کاموں کے پہلوؤں میں غور وخوض ہمیں اس مبداء علم وقدرت ذات کا شناسا بنانے کے لیے کافی نہیں ہے جو ان تمام الہامات کا سرچشمہ ہے؟

بانگ بیدار باش گزشتہ اعتراض کے جواب میں عرض کیا گیا کہ ہر چیز کی قدر وقیمت کا صحیح اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ ہمارے ہاتھوں سے نکل جائے۔

اس بناء پر اگر انسان ہمیشہ راحت وآرام کے سایے میں زندگی بسر کرے، کسی قسم کی ناگواری سے اس کی زندگی دوچار نہ ہو، رنج وغم کا بھیانک چہرہ کبھی اس کے سامنے نہ آئے تو کیا ممکن ہے کہ انسان راحت اور آسائش کی قیمت کا صحیح اندازہ اور مکمل طور پر اس کی قدردانی کرے۔؟

دوسری طرف اپنے علم پر گھمنڈ، اپنی ترقیوں پر غرور، اپنی عزت اور دولت پر تکبر، غیر محدود خواہشیں اور تمنائیں، بے انتہا ہوسیں اور حسرتیں اس دائمی راحت ومسرت کے ساتھ آیا ظلم، فساد، ہنگامہ آرائی، سرکشی، خودغرضی انسان کو زندہ رہنے کا موقع دے گی؟ جس انسان نے شکست، ناکامی اور غم واندوہ کی کبھی صورت نہ دیکھی ہو اس کا انجام معلوم ہے۔

آیا جو نقصانات، جو مضرتیں، جو مصائب انسان مذکورہ صورت میں برداشت کرے گا وہ بدرجہا آفات ارضیہ وسماویہ کے خساروں سے زیادہ نہیں ہیں؟ آیا سرکشی، خودخواہی، غرور جو انسانی سماج کے حق میں سم قاتل ہیں ان کی روک تھام میں اس طرح کے حادثے اور مصیبتیں موثر اور مفید نہیں ہیں۔؟

آج ان تمام حادثوں، بلاؤں، آفتوں کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ظلم، خوں ریزی ہنگامہ آرائی، فتنہ انگیزی کا بازار گرم ہے، طاقتور قومیں کمزور اقوام وملل کا برابر خون چوس رہی ہیں، طرح طرح کے حیلوں اور بہانوں کے ذریعہ ان کی دولتوں سے اپنے گھر بھر رہی ہیں، جہاں تک سیاسی حالات اجازت دیں کسی پست سے پست بد اخلاقی کے ارتکاب میں انھیں باک نہیں ہے، ہر روز دنیا کے کسی نہ کسی کونے میں ایک نیا فتنہ سر اٹھاتا ہے، کوئی بھی اس دنیا میں خوش حال

اور مطمئن نہیں ہے، اس عالم کی اس روز شکل و صورت کیا ہوگی جب انسان ہر لحاظ سے راحت، آسودگی، اطمینان اور آسائش میں بسر کر رہا ہو؟ کوئی چیز اس کی پریشان حالی، کبیدہ خاطری کا سبب نہ ہو؟ خلاصہ یہ کہ اگر اس سرکش، مغرور، نفسانی خواہشوں کے پتلے، مجسمۂ ہوا و ہوس انسان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے، اسے کسی طرح متنبہ اور ہوشیار نہ کیا جائے تو رفتہ رفتہ وہ تمام حدود اور قوانین سے بے پروا ہو کر دوسرے افراد کے حقوق کو روند ڈالے گا اور آخر میں اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو ڈالے گا، وہ اپنی آرزوؤں اور خواہشوں کو پورا کرنے کی خاطر کسی قسم کے ظلم و تعدی سے باز نہیں آئے گا، انسان کی ان کج رفتاریوں کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ہمارے سماج میں خلوص، تعاون، ہمدردی، خیر خواہی، بے لوثی کا کوئی نام و نشان نہیں دکھائی دے گا، اس کے بعد پورے معاشرے کی عمارت کا ڈھا جانا لازمی ہے۔

غافل اور فراموش کار انسان کے بیدار کرنے کے لیے، شریفانہ جذبات اور احساسات کی طرف اس کی نگاہ کو متوجہ کرنے کی خاطر زلزلوں، طوفانوں، قحط سالیوں، وباؤں وغیرہ کا آنا ضروری ہے۔

ظلم و جور، سرکشی اور تمرد سے بچانے کے واسطے عقل لازم قرار دیتی ہے کہ انسان کے سر پر خطرے کی گھنٹی ہمیشہ بجتی رہے، ہوشیار، خبردار کی آوازیں ہمیشہ اُسے جھنجھوڑتی رہیں۔

ان حادثوں، آفتوں اور بلاؤں کا ایک اہم فائدہ وہ بھی ہے جس کی طرف سابق اعتراض کے جواب میں اشارہ کیا گیا کہ یہ ہماری نگاہ کو ایک ہمہ گیر نظم و ضبط کی طرف متوجہ کرتی ہیں جو تمام کائنات میں پھیلا ہوا ہے، وہ ہماری نظروں کو ایک ایسے طاقتور خالق کی ذات کی طرف موڑتی ہیں جو اس عالم مادّہ کے پردے کے پیچھے چھپی ہوئی ہے اور جس کے دست قدرت میں تمام مادی اسباب کا سلسلہ ہے، انسان خود بخود اپنی فطرت کے تقاضے سے مصیبت اور گرفتاری کے اوقات میں خصوصیت سے ہمیشہ اس مرکز اعلیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے جہاں پستی اور زوال کا گزر نہیں، جس سے بالاتر اقتدار اور طاقت کا تصور ممکن نہیں، آدمی اس ذات کے دامن میں

...ے کر مصائب و شدائد سے چھٹکارے کے لیے اس سے امداد طلب کرتا ہے،
...نسان مصائب و شدائد سے دوچار نہ ہو تو مادی لذتوں میں ہمیشہ غرق ہوتے اور
...کسی کے محتاج نہ ہونے کی وجہ سے رفتہ رفتہ اس منعم حقیقی سے بے خبر اور دور ہوتا
...ے گا۔ اس بناء پر اس سے بہتر اور بالاتر کون سا فائدہ ہو سکتا ہے کہ یہ آفات و حوادث
...ان کی فطرت اور اس کے جذبۂ خدا پرستی کو بیدار کرتے ہیں، مادیت کے دلفریب مناظر
...اس کی چکاچوند نگاہوں کو کبھی کبھی اس کے پروردگار کی جانب موڑتے ہیں۔

یہ بھی واضح ہے کہ انسان صرف اس دنیا میں زندگی بسر کرنے کے لیے نہیں پیدا ہوا
...اس کی خلقت ایک زیادہ مکمل ابدی اور جاودانی زندگی کے پیش نظر ہوئی ہے،
...یوی زندگی اس زندگی کا پیش خیمہ ہے۔ انسان اس عارضی، مادی زندگی میں مشغول
...ل اور سرگرم ہو کر اس حیات ابدی کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی ذات کے
...ل اور ارتقاء کے سلسلے میں کچھ کدوکاوش نہیں کرتا، ضرورت ہے کہ اس کو خوب جھنجوڑ کر
...طرح جگایا، چونکایا جائے، اس رواں دواں دنیا کے زوال و فنا کو اس کی آنکھوں
...سامنے مجسم کرکے پیش کیا جائے، انسان کو صاف اور مؤثر طور پر بتایا جائے کہ اس کا
...مسدا اصلی اور وطن حقیقی یہ دنیا نہیں بلکہ ایک دوسرا عالم ہے۔

انسان اس شخص کے مانند ہے جو کار یا ٹرین میں اطمینان سے بیٹھا ہوا ہو اور
...گوں سے گذر رہا ہو، اپنے پہلو میں بیٹھے ہوئے دوست سے باتوں میں اس طرح محو ہو کہ
...پنا مقصد سفر اس کے ذہن میں ہو اور نہ اس بات کا خیال اس کے دماغ میں ہو کہ میں اپنے
...میں نہیں، پردیس میں ہوں، ممکن ہے کہ اس کی یہ خود فراموشی اسے منزل مقصود کے بجائے
...ی دوسری جگہ پہنچا دے، اسی دوران میں ریل گاڑی کا ایک غیر معمولی ہچکولا یا ہوا اور راستے
...چلتے دفعتاً کار کا کسی گڑھے میں چلا جانا اس کے کھوئے ہوئے حواس کو دوبارہ واپس
آتا ہے۔

علامہ طاش کبری زادہ رح

جناب محمد حسن نعمانی صاحب رفیق دارالمصنفین اعظم گڈھ

(۱)

کسی بھی ملک کی شہرت و عظمت کا دار و مدار علوم و فنون کی ترقی میں مضمر ہے، ترکی سلاطین کی فیاضی، علم دوستی اور قدردانی کی بدولت علماء اور اربابِ کمال کا ہر دور میں ایک مجمع نظر آتا ہے، ترکوں نے اپنے بے مثال کارناموں، ملکی اصلاحوں، صنعت و حرفت، معماری و نقاشی میں نمایاں ترقی کے ساتھ سرزمین ترکی کو دارالعلوم والفنون کی حیثیت بھی دی، ترکی میں علمی ترقی کا دور سلطان اُرخان سے شروع ہوتا ہے، یہی وہ مدبر حکمراں تھا جس کے عہد حکومت میں ازنیق میں ایک شاندار مدرسہ کی بنیاد پڑی، یہ نخل ثمر بار ہوا۔ اس کے بعد ترکوں کے تقریباً سبھی سلاطین اور شہزادے علوم و فنون کے مربی و سرپرست رہے اور وزراء و امراء بھی ان کے نقشِ قدم پر گامزن رہے، سلطان مراد ثانی، سلطان محمد فاتح، سلطان بایزید ثانی، سلطان سلیم اول، اور سلطانِ اعظم بڑے معارف پرور اور خود بھی شعری و ادبی ذوق کے حامل تھے، سلطان محمد فاتح نے فتوحات میں بڑا نام پایا، مگر اس نے علم اور علماء کی سرپرستی میں کشور کشائی سے کم کوشش نہیں کی۔ اس نے قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد وہاں کے آٹھ بڑے گرجوں کو مدارس میں تبدیل کیا، ان مدارس کو سرکاری حیثیت دی، ان مدارس میں تدریس بڑا اعزاز خیال کی جاتی تھی۔

ترکی میں نویں اور دسویں صدی ہجری کا زمانہ علوم و فنون کی گرم بازاری اور فضلاء کی کثرت کے اعتبار سے عہد زرّیں قرار دیے جانے کے لائق ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس دور

...علوم و فنون کی ہر شاخ ثمر بار ہوئی، اس کی نظیر سابقہ صدیوں میں اگر مفقود نہیں تو نایاب ضرور ہے۔ خصوصیت کے ساتھ تذکرہ نویسی، حدیث، تفسیر، فقہ، علم کلام، تاریخ و سیاست کے فن کو ان متذکرہ صدیوں میں حیرت انگیز ارتقا حاصل ہوا۔ شمس الدین فناری، ...خیالی، ملا خسرو، قطب الدین ازنیقی، علاء الدین رومی، عبدالرحمن چلپی، ...علاء الدین طوسی، مولیٰ فتح اللہ شیرازی، علاء الدین علی القوشجی، حسن چلپی، قاضی زادہ، ...الدین الکستاری، مصلح الدین قسطلانی، خطیب زادہ، مولیٰ مصنفک، ابن کمال پاشا، مصلح الدین مصطفیٰ بن خلیل۔ مولیٰ خیر الدین، مفتی ابوالسعود وغیرہ جیسے نادرۂ روزگار علماء نے اس عہد میں اپنے وسعتِ علم، بلندیٔ فکر، مہارتِ فن، نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی کے لازوال نقوش ثبت کیے ہیں۔

اس عہد عروج میں جن نفوسِ قدسیہ نے اپنی زندگیاں قربان گاہ علم پر نثار کیں، ان میں کچھ تو نگاہوں کا مرکز بن گئے، کچھ ارباب کمال ہمارے تغافل کا شکار ہو گئے، ان خاکستر میں بعض ایسے بھی ہیں کہ اگر ان کے حالات و کمالات کو منظرِ عام پر لایا جائے تو آسمانِ علم و ادب کے بہت سے تابندہ ستارے ماند پڑ جائیں گے، ذیل میں ایک ایسی ہی شخصیت کا ذکر کیا جا رہا ہے جس نے اپنے معلومات کی وسعت، تحقیقات کی ندرت اور علمی فضیلت کے سبب معاصرین اور متاخرین سے خراج تحسین حاصل کیا اور اپنے بعد کتابوں کا ایسا نادر ذخیرہ چھوڑ گئے جس کے سبب بزم علم و ادب میں آج بھی ان کا نام عقیدت و احترام سے لیا جاتا ہے، وہ پوری عمر جادۂ علم و تحقیق پر گامزن رہے، تاریخ، تذکرہ اور مختلف علوم و فنون ان کا موضوع رہے، ان کی ایک معرکۃ الآراء کتاب "الشقائق النعمانیہ فی علماء الدولۃ العثمانیہ" ہے جس میں ترکی کے دس سلاطین کے عہد کے علماء، فضلاء اور ادباء کے حالات اور علمی کارناموں کا بڑا دلکش و دل آویز مرقع پیش کیا گیا ہے اس کے مطالعہ سے جہاں ان کی غیر معمولی محنت، وسعتِ علم اور ژرف نگاہی کا اندازہ ہوتا ہے، وہیں اس عہد

تذکرے میں مختلف اسلامی علوم و فنون کے ارتقاء کی ایک تابناک تصویر بھی نظر کے سامنے آجاتی ہے، زیرنظر مضمون میں ترکی کے اس نامور عالم اور مؤرخ علامہ طاش کبریٰ زادہ کے احوالِ حیات پیش کیے جاتے ہیں۔

نام و نسب | احمد نام، والد کا نام مصطفیٰ، دادا خلیل، عصام الدین لقب اور ابوالخیر کنیت ہے، ان کے والد کا لقب مصلح الدین ہے اس لیے تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں احمد بن مصلح الدین بھی ذکر ہوا ہے، عام طور پر طاش کبریٰ زادہ سے مشہور ہیں، یہ عرف ایسا چلا کہ اصل نام پر غالب آگیا[1] طاش کبریٰ دراصل ترک علماء کے ایک خاندان کا نام ہے جو اناطولیہ میں قسطمونی کے قریب ایک گاؤں طاش کوپری سے ماخوذ ہے۔[2]

خاندان | طاش کبریٰ ایک علمی خاندان کے چشم و چراغ تھے، ان کے دادا خلیل علم و ادب کے بڑے دلدادہ تھے، ان کے دو صاحبزادے تھے ایک قاسم (یہ طاش کبریٰ کے چچا تھے) بڑے صاحبِ کمال عالم تھے، درس و تدریس انھوں نے وظیفۂ حیات بنالیا تھا، مدرسۂ اسدیہ بروسا میں درس کے فرائض انجام دیتے تھے، اس کے بعد مدرسہ اسحاقیہ میں درس دینے لگے، تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی پاکیزہ ذوق رکھتے تھے، مشہور کتابوں پر ان کی تعلیقات اور اہم مسائل پر ان کے کئی رسالے یادگار ہیں، انھوں نے ۹۱۸ھ میں اس دارِ فانی سے کوچ کیا،[3] دوسرے صاحبزادے مصلح الدین مصطفیٰ تھے ۸۵۸ھ میں پیدا ہوئے، وقت کے افاضل سے کسبِ فیض کیا، سندِ فراغ کے بعد مسندِ درس کو زینت بخشی، پہلے مدرسۂ اسدیہ بروسا میں درس دیا، پھر مدرسۂ بیضاء انقرہ میں خدمت تدریس انجام دیتے رہے، اس کے بعد ادرنہ میں، پھر آٹھ بڑے مدارس میں[4]

---

[1] البدر الطالع ج ۱ ص ۱۲۱، [2] دائرۂ معارف اسلامیہ ۱۲/۳۶۵، [3] حدائق الحنفیہ ص ۳۴۱
[4] سلطان محمد فاتح نے ۸۵۷ھ میں فتح قسطنطنیہ کے بعد علم و علماء کی سرپرستی کی خاطر وہاں کے آٹھ بڑے گرجوں کو مدارس میں تبدیل کر دیا تھا، ان مدارس میں تدریس بڑے اعزاز و افتخار کی بات سمجھی جاتی، ان

ایک مدرسہ میں خدمتِ درس دیتے رہے[۱] مصلح الدین ایک باکمال عالم اور کامیاب مدرس تھے، سلطان بایزید خاں ان کی علمی قابلیت کا بہت معترف تھا، اس نے اپنے بیٹے سلیم خاں کا اتالیق بھی ان کو مقرر کیا، سلطان نے ان کی فقہی مہارت کو دیکھتے ہوئے قضا کے منصب پر ان کو فائز کر دیا، انھوں نے شاہی حکم کی بجاآوری کے لیے مسندِ قضا کو سنبھال تو لیا لیکن اپنے والد کی نصیحت کہ "بیٹا عہدۂ قضا کبھی قبول نہ کرنا" پر عمل کرتے ہوئے اس منصب سے استعفیٰ دے دیا، اس کے بعد مدرسۂ سابقہ میں تدریس کی خدمت انجام دینے لگے، اس کے بعد مدرسہ سلطانیہ بروسا آ گئے، سلطان نے از راہِ قدردانی ستّر درہم یومیہ مقرر کر دیا، جب حسام چلپی کا سلیم خاں کے اوائل عہد حکومت میں انتقال ہو گیا تو موصوف کو ان کی جگہ کر دیا گیا، ۹۳۵ھ میں ان کا بھی انتقال ہو گیا، مصلح الدین درس و تدریس کے ساتھ زہد و اتقاء میں بھی بڑا مرتبہ رکھتے تھے، دنیا کے زخارف سے ہمیشہ کنارہ کش رہے حدیث، تفسیر، فقہ، اصول اور علوم ادبیہ میں یدطولیٰ رکھتے تھے، اسی کے ساتھ تصنیف و تالیف کا پاکیزہ ذوق بھی تھا، انھوں نے تفسیر بیضاوی اور شرح وقایہ پر تعلیقات لکھیں، ایک رسالہ علم فرائض پر اور ایک رسالہ حدیث الابتداء پر بھی ان سے یادگار رہے[۲]

ولادت و تعلیم ۱۴ ربیع الاوّل ۹۰۱ھ کو احمد کی ولادت بروسا میں ہوئی[۳] اپنے نام اور ولادت کے سلسلہ میں وہ خود اپنے والد کا بیان یوں نقل کرتے ہیں کہ "میری ولادت میں ایک ماہ باقی تھا، والد نے ایک رات ایک بزرگ صفت شخص کو خواب میں دیکھا، وہ بزرگ والد سے کہہ رہے تھے کہ تمہارے گھر ایک لڑکے کی ولادت ہونے والی ہے۔ اس کا نام احمد رکھنا، والد جب سفر پر جانے لگے تو انھوں نے یہ خواب والدہ ماجدہ سے بیان کر دیا، میری ولادت ۱۴ ربیع الاول ۹۰۱ھ کو ہوئی، جب میں سنِ تمیز کو پہنچا اور والد

---

[۱] الفوائد البہیہ ص ۲۳۔ [۲] ضرب الامثال ص ۲۴۱، [۳] شذرات الذھب ۸/۳۵۳

تو منتقل ہوگئے' انھوں نے قرآن پاک کی تعلیم کا آغاز کیا تو اس وقت والد نے ان کے
مصباح الدین کے لقب سے سرفراز کیا اور ابوالخیر کنیت رکھی[1] والد تیرہ گئے تو یہ بھی
وہاں والد سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے' اور جب والد استانبول چلے گئے تو یہ
بروسا آگئے اور وہاں کے اعیانِ علم سے کسبِ فیض کرتے رہے' صاحب العقد لکھتے ہیں
اپنے والد سے تفسیر و حدیث میں مہارت تامہ حاصل کی' اس کے بعد علی محمد القوجوی کے
دامنِ فیض سے وابستہ ہوئے اور مولانا محمد میرم چلپی کے پاس علوم ریاضی کی تکمیل کی اور
دیگر اساتذہ سے بھی استفادہ کرتے رہے[2] جب طاش کبریٰ کے والد قسطنطنیہ جانے لگے
تو ان کو علاؤ الدین یتیم کی سپردگی میں دے دیا' انھوں نے ان کے پاس رہ کر صرف و نحو اور
منطق میں دستگاہ حاصل کی' اس کے بعد محمد آنسی کی خدمت میں کچھ عرصہ رہے اور ان سے
کچھ حصے بخاری شریف کے پڑھے اور تمام مسموعات میں اجازت حاصل کی مراح الاواح
مصباح اور کافیہ کو اسی دوران انھوں نے حفظ کیا[3] انھوں نے اپنے چچا قوام الدین
قاسم سے وافیہ شرح کافیہ مرفوعات تک پڑھی' چچا جب مدرسۂ خسرو میں تدریس کی خدمت پر
مامور ہوئے تو وہاں بھی ان کی معیت میں رہے اور کافیہ مجرورات تک اور الفیہ مالک پوری
پڑھی' ان کے ساتھ بغرض تعلیم ان کے بڑے بھائی ابوسعید بھی تھے مگر اسی دوران طاعون سے
۹۱۵ھ میں انتقال کر گئے' بھائی کے انتقال سے طاش کبریٰ ملولِ خاطر ہوئے اس کے
علاوہ وہ اور ان کے والد بروسا آگئے اور درس دینے لگے تو یہاں شرح شمسیہ' شرح عقائد
حواشی خیالی' ہدایت الحکمت' شرح آداب البحث' شرح المطالع' شرح المطالع وغیرہ
ان سے پڑھیں' اور اپنے ماموں سے شرح تجرید محی الدین نکساری سے شرح المفتاح'

---

۵ الشقائق النعمانیہ ۲/۲۷۷' والعقد المنظوم فی ذکر افاضل الروم ۲/۱۹۹۔ [2] العقد
المنظوم بحوالہ شذرات الذہب ۸/۳۵۳۔ [3] معجم المطبوعات ۲/۱۲۳۱ء

محی الدین القوجوی سے شرح المواقف کا درس لیا اور کشاف سے سورۂ نبا پڑھی، علی محمد القوشجی کی خدمت میں رہ کر شفا قاضی عیاض پڑھی اور ان سے تمام مسموعات کی اجازت حاصل کی، ان کا سلسلۂ سند دو واسطوں سے حافظ العصر علامہ ابن حجر عسقلانیؒ تک پہنچتا ہے، والد نے بھی حدیث میں ان کو اجازت مرحمت کی، یہ اجازت پانچ واسطوں سے ابن حجر عسقلانی تک پہنچتی ہے۔[1]

درس و افادہ | طاش کبریٰ زادہ کے خاندان کو یہ اختصاص رہا کہ خاندان کے بیشتر ارباب کمال نے مسندِ درس کو اپنے لیے مایۂ افتخار سمجھا، چنانچہ انھوں نے بھی تحصیل علوم کے بعد خاندان کی اس روایت کو برقرار رکھا اور ۹۳۱ھ میں دیمتوقہ میں پہلی بار مسندِ درس کو رونق بخشی، دو سال یہاں تدریس کی خدمت کے بعد مدرسۂ ابن الحاج حسن استانبول میں رجب ۹۳۳ھ میں آگئے، اس مدرسہ میں مختلف علوم و فنون میں اپنی مہارت کا سکہ جما چکے تھے کہ ۹۳۵ھ میں والد کا سانحۂ ارتحال پیش آگیا، اس حادثہ کے وقوع کے بعد مصائب روزگار کا دہ شکار ہو گئے، چنانچہ پریشان خاطری کے سبب استانبول کو خیرباد کہہ کر مدرسۂ اسحاقیہ اسکوب کی مسندِ درس سنبھالی، کچھ عرصہ کے بعد یہاں سے مدرسۂ قلندریہ استانبول چلے گئے اور وہاں پورے پانچ سال یکسوئی سے رہے، ۹۴۲ھ میں مدرسۂ وزیر مصطفیٰ پاشا میں آگئے پھر ۹۴۵ھ میں ان کو سرکاری مدرسہ ادرنہ کی خدمت تدریس تفویض ہوئی، ۹۴۶ھ میں مدرسۂ بایزید خاں ادرنہ میں بخاری شریف، مشکوٰۃ شریف، شرح وقایہ، ہدایہ جیسی امہاتِ کتب کا درس دیا، شرح مطول، شرح تجرید، شرح فرائض جرجانی جیسی ادق کتابوں کا درس بھی اس کے ساتھ شامل ہے۔[2] اس سے مختلف علوم و فنون میں ان کے تجربہ کا پتہ چلتا ہے۔

---

[1] طرب الاماثل ص ۱۷۶، [2] الشقائق النعمانیہ ۲/ ۸۵۔

مسند قضا | طاش کبریٰ زادہ کو درس و تدریس سے ہی تعلق خاطر تھا، تحصیل علم کے بعد انھوں نے مسندِ درس کو رونق بخشی اور مختلف مدارس میں یہ خدمت انجام دیتے رہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ علم کا بحر بیکراں تھے تمام مدارس کے ارباب حل و عقد آپ سے اپنے مدرسہ کی تدریس کی درخواست کرتے چنانچہ ان کی خاطر یہ خدمت انجام دینے پر آمادہ ہو جاتے، اور پھر کچھ عرصہ بعد دوسرے مدرسہ میں منتقل ہو جاتے، درس و تدریس کو وہ وظیفۂ حیات بنائے ہوئے تھے کہ تاگاہ سلطانِ وقت نے آپ کو رمضان ۹۵۸ھ میں بروسا کی مسندِ قضا پر فائز کر دیا۔ اس منصب کے تفویض کیے جانے کے قبل ہی ایک لطیفۂ غیبی بھی پیش آگیا تھا، اس کی دلچسپ روداد طاش کبریٰ زادہ کی زبانی سننے کے قابل ہے، وہ لکھتے ہیں کہ :

"میں ایک مدرسہ میں خدمت درس انجام دے رہا تھا کہ ایک رات خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ رسولِ خدا نے مجھے مدینہ منورہ سے ایک تاج بھیجا ہے، یہ ثلث شب کا واقعہ ہے، میں اس خواب کے بعد بیدار ہوا اور اس کے بعد تفسیر بیضاوی کے مطالعہ میں مشغول ہو گیا، فجر کی نماز کا وقت کا.... ہوا تو میرے پاس شیخ کے پاس سے ایک شخص آیا اس نے سلام کیا اور گویا ہوا کہ شیخ نے کہلایا ہے کہ رات تم نے جو خواب دیکھا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ تم بہت جلد قاضی بنائے جاؤ گے، طاش کبریٰ کہتے ہیں کہ میں نے اس خواب کو اس وقت تک کسی سے ذکر نہ کیا تھا اس لیے میں بہت حیران بھی ہوا لیکن اس پر مجھے یقین ہو گیا کہ شیخ کو کشف ہوا ہے، پھر میں کچھ دیر کے بعد ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے صورت واقعہ بیان کی اور یہ بھی کہا کہ مجھے منصب قضا کی مطلق طلب نہیں ہے، اس پر شیخ[1] نے فرمایا کہ تم خواہش مت کرو۔

---

[1] یہ شیخ کامل محی الدین محمد بن مولیٰ فاضل بہاؤ الدین تھے جو علم ظاہر و باطن کے جامع تھے، تحصیل علم کے بعد تصوف و سلوک سے شغف ہوا، عارف وقت محی الدین الکلیبی کی خدمت میں حاضر رہا (صفحہ ۱۳۳)

غرض ۹۵۲ھ میں منصب قضا کو انھوں نے علی الرغم قبول کیا، یہ عہدہ و منصب آپ کی طبع عالی سے میل نہیں کھاتا تھا اس لیے بہت جلد اس عہدہ سے دست کش ہو کر جب ۹۵۴ھ میں تدریس کے منصب پر واپس آ گئے، مسند قضا بڑی ذمہ داری اور جوابدہی کی مسند ہے، ان کے والد کی خدمت میں بھی جب یہ منصب پیش کیا گیا تھا تو انھوں نے اس کو شاہی حکم کی تعمیل میں عارضی طور پر قبول کر لیا تھا لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد اپنے والد کی وصیت کا اظہار کر کے اس منصب سے کنارہ کش ہو جانے کا فیصلہ کر لیا تھا، طاش کبری زادہ نے اپنے والد کے تتبع اور طبعی رجحان کے نہ ہونے کے سبب اس منصب کو قبول کرنے میں پس و پیش کیا، لیکن ان کے مرتبے اور ان جیسی فقاہت کے لوگ خال خال تھے، پھر سلطانِ وقت ان کے علم و فضل، تدین و تقویٰ، فقہی مہارت اور دینی بصیرت کا بڑا قدر شناس تھا۔ اس کا خیال تھا کہ تعلیم و تدریس کے میدان کو تو دوسرے اہل علم سنبھال

(بقیہ حاشیہ صتا) اور ان سے تصوف و سلوک کے مدارج طے کیے، انھوں نے خلافت عطا کی، اس کے بعد شیخ کی اجازت سے قسطنطنیہ کی ایک خانقاہ میں گوشہ نشینی اختیار کی اور خدمت خلق اور ان کے اصلاح باطن میں لگ گئے، ان کے مریدین سیکڑوں سے متجاوز ہو گئے، تقویٰ و طہارت پر تھے، حدود شرعیہ کی پاسداری کے ساتھ آداب طریقت کی رعایت بھی ہر لحظ ملحوظ رکھتے، تفسیر، فقہ اور علوم عربیہ میں کامل دستگاہ تھی، رشد و ہدایت کے ساتھ تصنیف و تالیف کا بھی ان کو خاص ذوق تھا۔ امام اعظمؒ کی فقہ اکبر کی ایک شرح تحریر کی اس میں کلام و تصوف کے مسائل میں تطبیق بہت ہی عالمانہ انداز میں کی، اس کے علاوہ فن تصوف میں دیگر رسائل بھی انھوں نے یادگار چھوڑے، تمام تر عمر عوام الناس کی رشد و ہدایت میں لگے رہے اور ۹۵۲ھ میں انھوں نے قیصریہ میں انتقال کیا۔ (الشقائق ۱/۳۸۴)

سکتے ہیں لیکن مسندِ قضا بہت نازک منصب ہے اور اس میں غیر معمولی احتیاط اور انتہا درجہ کے عزم و احتیاط کی ضرورت ہے اس کو طاش کبریٰ کی ذات ہی پورا کر سکتی ہے اس لیے بڑے اصرار کے ساتھ ان کو قسطنطنیہ کا قاضی [illegible]ھ میں بنایا گیا، اس ذمہ داری کو قبول کرنے کے بعد پوری احتیاط، امانت و دیانت سے اس کو نبھاتے رہے، اس منصب پر فائز ہوتے ہوئے انھوں نے بار بار اس ذمہ داری سے الگ ہونا چاہا لیکن سلطانِ وقت کے الحاح و اصرار سے وہ مجبور ہو جاتے، یہاں تک کہ قدرتی طور پر ۹۶۱ھ میں آشوب چشم میں مبتلا ہوگئے، یہ مرض کئی ماہ تک رہا، کچھ عرصہ بعد اس مرض نے سنگین صورت اختیار کر لی اور ان کی بینائی جواب دے گئی، اس طرح اس ذمہ داری سے علیحدگی کے قدرتی اسباب ہوگئے،
صاحبِ شذرات الذہب نے لکھا ہے کہ "ان کا اس مرض میں مبتلا ہونا اس اثر کا مصداق ہوا جس میں آتا ہے کہ

اذا جاء القضاء عمی البصر — جب قضا کی ذمہ داری آتی ہے تو آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔

چنانچہ انھوں نے اس مرض کے بعد اس ذمہ داری سے استعفیٰ دے دیا[1] خیر الدین زرکلی نے ان کی حلب کی مسندِ قضا کی ذمہ داری کا بھی ذکر کیا ہے[2] لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اسی طرح صاحبِ حدائق نے لکھا ہے کہ ۹۵۸ھ میں پھر بروسا کے قاضی ہوئے[3] یہ بات بھی صحیح نہیں ہے، دوبارہ انھوں نے قسطنطنیہ کی قضا کو قبول کیا تھا، تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں اسی کی صراحت ملتی ہے، اس کی وضاحت سطور بالا میں کی گئی ہے۔

مسلک تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں علامہ طاش کبریٰ کے حالات کے ذیل میں الحنفی کا لفظ بھی بہت نمایاں کر کے ذکر کیا گیا ہے، اس سے اس بات کا ثبوت بہم پہنچتا ہے کہ اس وقت اقلیم ترکی میں مذہب احناف کو شیوع و قبول حاصل تھا، سلاطین ترکی بھی اسی مذہب کو

---

[1] شذرات الذہب ۸/۳۵۲، [2] الاعلام ۱/۸۰ [3] حدائق الحنفیہ ص ۳۷۹،